مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے سیاسی افکار کا تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of Sayyed Abul Hasan Ali Nadwi's Political Thoughts

Asif Rasheed
PhD. Scholar, Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University, Multan
Email: asifrasheed2323@gmail.com

Prof. Dr Altaf Hussain Langrial
Director Institute of Islamic Studies
Bahauddin Zakariya University, Multan Pakistan
Email: altaf.langrial@bzu.edu.pk

Abstract

The name of a great thinker who illuminated the religious, and political horizons of the Muslim Ummah in the twentieth century is "Maulana Syed Abul Hasan Ali Nadwi" who was born in India in 1914-1999. Maulana was an eminent religious scholars Charming orator, a literary man and a political thinker. Undoubtedly, the combination of all these qualities gave him a unique place among the thinkers of the revival of Islam in the twentieth century. The fall of the Ottoman Caliphate in 1924 raised many questions in the Muslim world. Which includes the question of how to restore the past glory of Islam while re-establishing the Islamic government. Maulana Syed Abul Hasan Ali Nadwi is one of such influential scholars .His writings covered a wide range of topics such as history, theology, politics, culture and civilization. Among his political works, "Insani Dunya Par Musalmano K Urooj –o- Zawal ka Asar "is a magnum opus. The purpose of which was to present an analytical study of political thought in Islam. The purpose of this research is to take an analytical look at the political thought of Abul Hasan Ali Nadwi. Who tried to provide answers to the questions by paying special attention to the political thought of Muslims and the solution of the problems faced by Muslims? According to Maulana, the decline of Muslims is due to abandonment of the original teachings of Islam and lack of scientific knowledge.

Keywords: Molana Abul Hasan Ali Nadwi Political thoughts, Political Islam, Islamic state, Democracy, law

تعارف:

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا شمار عرب و عجم کے نامور علمائے دین میں ہوتا ہے۔ مولانا سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جنہون نے دین اسلام کی سربلندی، اشاعت و ترویج اور مسلمانوں میں دینی حمیت اجاگر کرنے کیلئے اپنی زندگی وقف کرر کھی تھی۔ آپکی پیدائش لکھنؤ کے ایک علی اور مذہبی گھرانے میں ہوئی۔ اس علمی اور مذہبی ماحول میں تعلیم و تربیت نے مولانا کی شخصیت میں ایک نکھار پیدا کر دیا۔ اور انہوں نے درس تدریس کے علاوہ وعظ و نصیحت اور تصنیف و تالیف میں بھی کمال حاصل کیا۔ مولانا کی علمی رسوخ اور دین پر عمل کے ساتھ ساتھ اسلام کیلئے غلبے کی فکر اور اس کیلئے جہد مسلسل ارو تکبیر مسلسل نے انہیں معاصرین میں ممتاز کر دیا تھا۔ انہوں نے اپنے عہد کے مسائل

اور امت مسلمہ کو درپیش خطرات کو اچھی طرح سمجھا۔ اور اس کے لحاظ سے ملک و قوم کی اہم رہنمائی انجام دی۔ وہ جدید معلومات اور ترقیات کے مخالف نہیں تھے۔ بلکہ اسلامی اصول اقدار کے تحت ردو قبول کامشورہ دیتے تھے۔

مولاناسید ابوالحسن علی ندوی کے سیاسی افکار کیاہیں۔ دین اور سیاست کی ہم آہنگی میں ان کا کیانقطہ نظر کیا ہے۔ حکومت کو قائم کرنے میں ان کا کیامؤقف ہے۔ اور انکے نزدیک حکومت کی ذمہ داریاں کیاہیں۔

مسلمان دنیا کی عظیم قوم ہے۔ باہمی مشورہ، حکومت اور مشترکہ ذمہ داریوں کے ساتھ مسلمانوں نے ہمیشہ تاریخ رقم کی ہے۔ مشکلات کاسامنا کیاہے۔ آج کے حالات میں بھی ظلم سے نجات دلانے، انصاف فراہم کرنے، مساوات قائم کرنے، آزادی دلانے، معاشی تنگ دستی سے بچانے، تعلیم سے آراستہ کرنا اور سماجی سطح پر مضبوط کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کام اسی وقت ممکن ہے جب مسلمان ایک مشترکہ مسلم قیادت کو فروغ دیں۔ ایک مسلم لیڈرشپ کاوجود ہوگا تاکہ باہمی طور پر سب ملکر ایک انقلاب برپا کرسکیں۔ انسانیت کو ظلم سے بچاسکیں اور اس طرح مسلمان خیر امت کے فرائض انجام دے سکیں۔

مولاناابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ حکومت قائم کرناکل دین نہیں ہے بلکہ دین کاایک جز ہے اس کو کل دین نہیں بناناچاہیے بلکہ حکومت کا قائم کرناوسیلہ کے طور پر ہے۔[1]

مولاناوحیدالدین خان بھی نقطہ نظر یہی ہے کہ سیاسی اقتدار اسلام کاایک جز ہے اور یہ اللہ انعام کے طور پر اہل اسلام کو دیتاہے۔ وہ ایک خدائی انعام ہے جو ایمان اور عمل کے نتیجہ میں مومنین کی جماعت کو دیاجاتاہے۔ اس غلبہ کامقصد یہ ہے کہ اہلِ ایمان کو زمین میں استحکام عطاکیاجائے اور وہ آزادانہ طور پر خدا کی عبادت کریں۔[2]

بعض مفکرین کاخیال ہے کہ دین میں سیاست قرآن، سنت اور اجماع تینوں سے ثابت ہے نصب خلیفہ یا اسلامی حکومت کا قیام تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے اگر اس کی استطاعت رکھتے ہوں اور اس واجب کی ادائیگی کے لیے استطاعت حاصل کرناضروری ہے اور یہ بات قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ اور اجماع تینوں سے ثابت ہے اور اسی طرح مسلمانوں پر ایسے خلیفہ کامقرر کرنافرض کفایہ ہے جو شرائطِ خلافت پر پورااترتاہو اور یہ فرض قیامت تک رہے گا، اور یہ اہم ترین فریضہ ہے۔[3]

دین اور سیاست کاایک دوسرے کے ساتھ چولی دامن کاساتھ ہے، اور کسی بھی ضمن میں سیاست کو اسلام سے جدانہیں کیاجاسکتا اور اگر کہیں ایسے ہو کہ سیاست اور اسلامی تعلیمات کو الگ کیاجائے تو ایسے غیر منصفانہ قانون اور قیادت کی بنیاد پڑے گی جس سے نسلِ انسانی کی تباہی اور بربادی کاراستہ کھل جائے گا۔ انسانی فلاح وکامیابی کی کنجی اسلامی تعلیمات میں ہی پوشیدہ ہے۔

حکومت کے قائم کرنے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا موقف:

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بھی اقامت دین کے قائل ہیں لیکن وہ اقامت دین سے مراد صرف اسلامی حکومت کا قیام نہیں لیتے بلکہ وہ اقامت دین سے مراد ہر وہ عمل لیتے ہیں جس سے دین کو تقویت ملے خواہ وہ انفرادی عمل ہو یا اجتماعی ہو، خواہ وہ عبادات میں سے ہو یا معاملات میں سے، خواہ وہ تبلیغ دین ہو یا تصوف میں سے ہو یا جہاد میں سے یا دین کی اشاعت کا کوئی کام ہو یہ تمام کام اقامت دین کے ذیل ہی میں آتے ہیں۔ اور حکومت قائم کرنا کل دین نہیں ہے بلکہ دین کا ایک جزہے اس کو کل دین نہیں بنانا چاہیے بلکہ حکومت کا قائم کرنا وسیلہ کے طور پر ہے نہ کہ اصلاً مطلوب ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اس بات میں علماء میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ معاشرہ میں اسلامی احکام نافذ کئے جائیں اور اگر اس کے مقابلہ میں کوئی متوازی قوت یا نظام ایسا ہو جو لوگوں کے لیے کشمکش اور فتنہ کا سبب بنتا ہو اس کو ختم کرنا چاہیے جیسا کہ قرآن میں ہے:

" قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۔"[4]

" کہہ دیں کافروں سے اگر وہ باز آجائیں تو جو پہلے ہو گیا وہ معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہ اعادہ کریں کفار سابقین کے بارے میں قانون نافذ ہو چکا ہے اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ کے لیے ہو جائے، اور اگر وہ باز آجائیں تو اللہ ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔"

اور ایسی طاقت کا حاصل کرنا لازمی ہے جس میں صرف دعوت و تبلیغ ہی نہ ہو بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی انجام پائے اور معروف کا حکم جاری کر سکے اور منکرات سے روکنے کی طاقت رکھتی ہو۔ جیسے قرآن میں بیان ہوا ہے:

" كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ "[5]

" اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر تھا ان میں سے کچھ مومن ہیں اور زیادہ فاسق ہیں۔"

اسی طرح کا مفہوم اس آیت میں بھی ہے جیسے قرآن میں ہے۔

" وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ "[6]

" تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور برائی سے روکے یہی کامیاب ہیں۔ "

اقامت دین کی اہمیت کے بارے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

ایسی قوت و اقتدار کو حاصل کرنا اور کوشش کرنا قرآن کی قطعی نصوص سے مطلوب ہے اور اس سے تساہل کسی طرح جائز نہیں ہے اور قرآن وحدیث میں خلافت اور امارت کو بہت اہمیت دی گئی ہے ۔ اس کے بغیر زندگی کو جاہلی زندگی قرار دیا گیا ہے اور اس حالت میں مرنے کو جہالت کی موت "میتۃ الجاھلیہ" قرار دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے نبی ﷺ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنھم نے اس کام کو اولیت دی تھی اور اس کو ہر کام پر مقدم رکھا اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے تو اس فریضہ کے لیے جان کی بازی تک لگا دی اور ہر دور میں علماء کرام اس پر سر دھڑ کی بازی لگاتے رہے اور آج ملتِ اسلامیہ کی ذلت وخواری کی بڑی وجہ ہی اس سے محرومی ہے۔[7]

لیکن یہ سارا کام صرف وسیلہ کے طور پر ہے نہ کہ کل دین۔ اس لئے اس کو دین کا اولین مقصد نہ بنایا جائے کیونکہ نبی ﷺ کی سیرت اور صحابہ رضوان اللہ اجمعین کے حالات سے معلوم ہوتا ہے اور جب بھی راسخ العقیدہ علماء نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور اس کی ضرورت واہمیت اجاگر کی ہے تو انہوں نے مقصد اور وسیلہ میں جو نازک نسبت ہے اس کا لحاظ رکھا ہے یعنی اقتدار اور قوت کا حصول صرف رضائے الٰہی کے حصول اور اتباعِ نبوی سلام اور دین حق کو قائم کرنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے کے لیے ہو۔[8]

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنے مؤقف کی تائید میں شاہ ولی کی کتاب "ازالۃ الخفاء" سے دلیل دیتے ہیں جیسے شاہ ولی اللہ "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" میں اقامت دین کو فرض کفایہ قرار دیتے ہیں جیسے وہ لکھتے ہیں:

"هي الرئاسة العامة في التصدي لاقامة الدين باحياء العلوم الدينية و اقامة اركان الاسلام والقيام بالجهاد و ما يتعلق به من ترتيب الجيوش و الفرض للمقاتلة و اعطائهم من الفيء و القيام بالقضاء و اقامة الحدود و رفع المظالم و الامر ز ا بالمعروف و النهي عن المنكر نيابة عن النبى ﷺ۔ "[9]

" یہ ریاست عامہ ہوتی ہے جو اقامت دین علوم دینیہ کے احیاء اور ارکان اسلام کو قائم کرنے اور جہاد قائم کرنے اور جو اس سے متعلق ہیں جیسے لشکر ترتیب دینا، جنگ میں ان کی ڈیوٹیاں لگانا اور مال ان کو دینا اور ادارہ قضاء کا قیام اور حدود قائم کرنا اور مظالم کو ختم کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینا اور یہ نبی ﷺ کی نیابت میں کیا جاتا ہے۔ "

شاہ ولی اللہ مزید لکھتے ہیں کہ اگر خلافت کے مقاصد اور شعبوں کو ایک جملہ میں بیان کریں جو اس کی تمام جزئیات کے لیے کلی اور انواع واجناس کی اعلیٰ جنس ہو تو وہ "اقامت دین" ہے[10]

شاہ ولی اللہ کے ہاں مسلمانوں پر یہ کام "فرض کفایہ" ہے۔[11]

شاہ ولی اللہ مزید لکھتے ہیں کہ اللہ نے جہاد، قضاء، احیاء علوم دین و ارکانِ اسلام اور کفار سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کرنا فرض کفایہ قرار دیا ہے اور یہ تمام کام "امام" کے انتخاب یا تقرر کے بغیر ممکن نہیں اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے۔(اگر کوئی واجب کسی دوسرے عمل کے بغیر ظاہر نہ ہو تو وہ عمل بھی واجب ہو جاتا ہے۔)[12]

اقامت دین اور قیام حکومتِ اسلامیہ کے درمیان فرق کے متعلق مولانا سید ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"حکومت الہیہ قائم کرنے سے "اقامت دین" کا لفظ زیادہ جامع اور وسیع مفہوم کا حامل ہے جس میں ارکانِ اسلام کا قیام، جہاد اور اس کے متعلق احکامات اور انتظامات، نظام قضاء، حدود کا جاری کرنا، ظلم کا قلع قمع کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور وہ سب کچھ جو نبی ﷺ کی نیابت کے طور پر انجام دیا جائے شامل ہیں۔"[13]

مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ سید احمد شہیدؒ کی کوششوں کو ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے دین کے خصوصی شعبہ "اقامت دین" کی طرف پوری توجہ دی اور اسلام کے لیے حکومت اور طاقت کے حصول کی ایسی عملی جدوجہد کی جس کی نظیر ہندوستان میں نظر نہیں ملتی۔[14]

اسی طرح سید احمد شہیدؒ نے شاہ سلیمان والئ چترال کو خط میں لکھا تھا کہ:

"میں مال و دولت اور حصول اقتدار کا طالب نہیں ہوں بلکہ اس ملک کو کفار سے آزاد کروانا چاہتا ہوں تاکہ اس میں احکامِ الٰہی کا نفوذ اور سنت نبوی ﷺ کو پھیلا سکوں اور جو بھی یہ کوشش کرے تو میرا مدعا حاصل ہو جائے گا۔[15]

والیان پشاور سردار سلطان محمد خان اور سردار سید محمد خان کو خط میں لکھتے ہیں کہ:

"وہ دینی احکام جن کا تعلق سلطنت سے ہے اور حکومت نہ ہونے کی وجہ سے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں اور مسلمانوں کی ذلت ورسوائی اور شعائرِ اسلام کی بے حرمتی اور مساجد کی تخریب ہوتی ہے وہ بخوبی ظاہر ہے۔"[16]

مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں کہ:

"ہر دور میں ایسے علماء حق اور اہل تصوف موجود رہے ہیں جنہوں نے کسی نہ کسی صورت میں اقامتِ دین کا کام کیا ہے بعض اوقات یہ کام انہوں نے عملاً کیا ہے اور بعض اوقات انہوں نے یہ کام تقریر و تحریر کے ذریعے کیا اور ایسے کارکنان تیار کر کے اہل اقتدار کے حوالے کئے جنہوں نے جاہ و منفعت سے بے نیاز ہو کر اسلامی حکومت کی خدمت

کی اور حکمرانوں کو اس بات پر تیار کیا کہ ظلم کو ترک کر کے انصاف اور اسلامی احکامات کی پاسداری کریں اور ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی اخلاقی و روحانی بلندی اور اپنے خلوص اور بے غرضی سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والے اقدامات سے باز رکھا اور ان میں سے اکثر لوگوں کا ذکر تاریخ کے اوراق میں نمایاں ہے اور بعض کا ذکر موجود نہیں ہے۔ ان کی بدولت مسلمانوں اور اسلام کو فائدہ پہنچا ہے اور یہ سارے کے سارے لوگ اقامتِ دین کی فوج کے سپاہی تھے اور حالات اور موقع کی مناسبت اور حکمت عملی کے تحت انہوں نے اپنے حصے کا کام کیا۔"[17]

دین اور سیاست کا الگ ہونا درست نہیں ہے:

مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ دین اور سیاست کے الگ الگ ہونے کے مخالف ہیں اور وہ سیاست کو دین کا ایک شعبہ تصور کرتے ہیں اور اس کو اسلام کے لیے لازمی سمجھتے ہیں اور انہوں نے سیاست کو دین سے الگ کرنے کی تردید بھی کی ہے۔ جیسے مولانا سید ابو الحسن علی ندوی "مسیحی یورپ میں دین و دنیا اور ریاست اور کلیسا کی کشمکش" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"قرون وسطی میں عیسائی دنیا میں دین کے نمائندوں اور حکومت کے درمیان ایک خون ریز جنگ ہوئی جس کے نتیجہ میں دین اور سیاست الگ ہو گئے، جس کی سزا دنیا اب تک بھگت رہی ہے۔"

انہوں نے اس سیاق میں علامہ محمد اقبال کی نظم "دین و سیاست" کا حوالہ بھی دیا ہے:

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری ہوس کی وزیری
دوئی ملک و دین کے لیے نامرادی
دوئی چشم تہذیب کی نابصیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا
بشیری ہے آئینہ دار نذیری
اس میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری[18]

ان اشعار میں علامہ محمد اقبال نے اس تاریخی حقیقت کی بڑی وضاحت کے ساتھ تصویر کشی کی ہے۔ کہ سید نا محمد ﷺ نے دین و دنیا کے درمیان حائل اس فرق کو ختم کیا اور دونوں مخالف گروپوں کو جو ایک عرصہ سے برسر

پیکار تھے صلح وصفائی اور محبت کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا اور لوگوں کو دو محاذوں سے اٹھا کر ایمان اور احتساب، انسان نوازی اور اللہ کی رضاجوئی کے محاذ پر جمع کر دیا۔

مولاناسید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ:

نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بعد ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی قرآنی تعلیمات اور شرعی احکام اور اسلام کے اصول وضوابط کی حفاظتکی اور ان پر عمل کر کے دکھایااور ان اصولوں اور احکام کو ہر امیر اور غیریب، کمزور اور طاقتور پر بلا تفریق نافذ کیاجو رہتی دنیاکے لیے نمونہ ہے۔[19]

دین اور سیاست کو الگ کرنے پر مولاناسید ابوالحسن علی ندوی "کمال اتاترک" پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کمال اتاترک نے دین اور سیاست میں علیحدگی کر کے ترکی کو سیکولر اسٹیٹ بنادیا اور مذہب کو انسان کا ذاتی معاملہ قرار دیا، مزید یہ کہ دینِ اسلام کے سرکاری مذہب ہونے کی حیثیت ختم کر دی اور خلافت کا ادارہ بھی ختم کر دیا۔ شرعی اداروں اور محکموں سے قانون شریعت کو ختم کر دیا، یعنی ترکی قوم اور حکومت کی دینی اساس کو توڑ دیا جس سے ترکی قوم کانقطۂ نظر ہی ختم ہو گیا۔"[20]

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیاست دین کا حصہ ہے اور انبیاء علیہم السلام نے بھی صرف انفرادی زندگی کو درست نہیں کیا بلکہ انہوں نے انسانوں کی اجتماعی زندگی کو بھی اسلام کے تابع کرنے کو کوشش کی تھی اور دین وسیاست کو الگ نہیں سمجھا تھا۔

دین اور سیاست کو الگ کرنے اور مذہب کو نجی معاملہ قرار دینے والوں کی مذمت میں مولاناسید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں کہ مغرب نے دین اور سیاست کو الگ الگ کر دیا ہے اور مذہب کو پرائیوٹ معاملہ قرار دیا ہے اور علماء اسلام کو بھی مسیحی کلیسا کی طرح اپنی ترقی میں رکاوٹ قرار دیا ہے، جو کہ سراسر غلط تصور ہے۔[21]

مولاناسید ابوالحسن علی ندوی مزید لکھتے ہیں کہ:

امت محمد یہ اللہ کے فیصلے کے مطابق دنیا میں آئی ہے اور یہ "ایکٹر" کی حیثیت سے نہیں بلکہ "فیکٹر" کی حیثیت سے اس دنیامیں زندگی گزارے گی اور یہ اس امت کی ذمہ داری ہے اور اس نے دنیا کے سامنے ایسانمونہ پیش کرنا ہے کہ حکمرانی اللہ کے لیے ہے اور حکمرانی شریعتِ اسلامی کی ہے اور انسانیت کی خیر خواہی کے لئے اور آخرت کی فلاح کے لئے ہے اور جس میں قربانی وایثار کا جذبہ ہو۔[22]

اسلامی نظام ہی اصل پہچان ہے کہ کس ملک میں کس کا نظام چل رہا ہے اس سے اس کی پہچان ہوتی ہے اس بارے میں مولاناسید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"انبیاء اور علماء و محققین کی مثال ایسی ہے جیسے کسی بڑے آباد اور ترقی یافتہ شہر میں مختلف ذوق والے لوگ داخل ہوں ان میں ایک جماعت آتی ہے وہ شہر کی پوری تاریخ لکھ دیتی ہے اور کچھ نے جغرافیہ پر کام کیا اور اس شہر کا پورا محل و قوع اور جغرافیہ بیان کر دیا، کچھ نے آثارِ قدیمہ پر کام کیا، بعض نے شعر وادب کا موضوع اختیار کیا اور اس شہر کے حسن و جمال پر اشعار کہے، کچھ نے اس شہر کی زبان پر تحقیق کی کہ کونسی زبان وہ بولتے تھے، یہ تمام کام اہم اور قابل تحسین ہے لیکن یہ تمام طبقے خطرے سے نہیں نکل سکتے جب تک وہ اس شہر کے متعلق انتہائی اہم اور ضروری چیز معلوم نہ کرلیں، کہ اس شہر کا حاکم کون ہے؟ نظام حکومت کیا ہے؟ اور اس میں رائج قوانین کونسے ہیں؟"[23]

اسلامی حکومت قائم کرنا اور اسلامی حکومت کی ذمہ داریاں:

اسلامی حکومت قائم کرنے اور اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں کے متعلق مولانا سید ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ قرآن کی درجہ ذیل آیت میں اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں کا ذکر ہے:

" اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۔ "[24]

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔"

اس آیت میں "صلوا" کا حکم نہیں ہے بلکہ "اقامواالصلاۃ" کا حکم ہے یعنی نماز کو زندگی کا جزو بنائیں گے اس کا انتظام اور اہتمام کریں گے اس کے لیے مساجد بنائیں گے، جس علم کی ضرورت ہے اس کا اہتمام کرلیں گے اور "واٰتواالزکاۃ" زکوۃ کا فریضہ انجام دیں گے اور اس کو عام کریں گے اور نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے، یعنی "امروا" اور "نھوا" کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس کا مطلب نصیحت و دعوت و ترغیب و فہمائش سے مختلف ہے یعنی امر و نہی کے لیے جس قدر طاقت کی ضرورت ہو عزت واحترام کو ضرورت ہو وہ حاصل ہو اور جو اس کی بات نہ مانے اس کو سزا کا خوف ہو اس لیے اس امت کو اس فریضہ کی انجام دہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اس کے لئے سیاسی اقتدار اور قوت کی ضرورت ہے۔ آج بھی دنیا کی یہ اہم ضرورت ہے کہ ان کے سامنے ایک نمونہ حیات ہو جس میں تجارت بھی ہو زراعت بھی ہو حاکم و محکوم کی تقسیم بھی ہو عالم اور جاہل کا فرق بھی ہو اور یہ سارے کام اسلام کے زر میں اصولوں کے مطابق ہوں، جس میں دنیا کی مدد کرنے کی صلاحیت ہو وہ آزاد، باعزت اور طاقتور ملک ہو اور ایک صالح اور باضمیر معاشرہ ہو جس میں دولت کچھ نہ ہو بلکہ اللہ کی رضا سب کی مقصود ہو اور اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر عمل ہو اور کسی حدِ شرعی سے تجاوز نہ کرتا ہو کوئی ظلم نہ کرے اور رشوت نہ لے، غلط فیصلہ نہ کرتا ہو اگر

طاقتور ظلم کرے تو وہ کمزور ہو جائے اور مظلوم طاقتور ہو، یہ ہے ایسا صالح معاشرہ جس کی دنیا کو ضرورت ہے اس وقت اگر انسانیت کی خدمت ہو سکتی ہے وہ یہی ہے کہ ایک آزاد طاقتور ملک ہو جہاں اسلامی نظام زندگی موجود ہو، جہاں اسلامی قانون نافذ ہو سکے اور مملکت کے تمام شہری اس کو دل وجان سے قبول کریں۔[25]

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اسی موضوع پر دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ خلافت الٰہی کو بڑی ذمہ داری کی چیز سمجھنا چاہیے جو انسان سے عدل ورحمت اور سخت محاسبے کا مطالبہ کرتی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی داؤد کو حکومت دی تھی جس کے وہ حکمران تھے ان سے کہا تھا کہ:

" يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭاِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۔"[26]

" اے داؤدؑ! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمھیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔"

خلیفہ ہمیشہ اپنے مالک سے رابطے میں ہوتا ہے، اس کا تابعدار ہوتا ہے، وہ اپنی ذمہ داری میں امانتدار ہوتا ہے، اپنے مالک کا شکر گذار اور ہر فضل وکرم کو اس کی طرف منسوب کرنے والا ہوتا ہے، وہ تکبر میں مبتلا نہیں ہوتا اور نہ قوت وحکومت اس کو آپے سے باہر کر سکتی ہے۔[27]

اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد کرنے والوں کی تعریف میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ:

"صالح ومصلح اور طاقتور وباخبر مسلمان وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو انسان کی بندگی سے اللہ کی بندگی کی طرف بلاتا ہے اور اپنے اندر ایسا کردار پیدا کرتا ہے جو سلیمان، ذوالقرنین اور خلفائے راشدین میں تھا۔"[28]

وہ علماء اسلام ہی تھے جو اسلامی حکومتوں اور معاشروں کے منحرف ہونے اور تخریبی سازشوں کے مقابلے پر ہر وقت موجود رہنے والے اور وقت پڑنے پر جہاد و قتال، آزادی وطن اور بیرونی طاقتوں اور اسلام دشمن حکومتوں سے مقابلہ کی رہنمائی میں ہمت اور جواں مردی کرنے والے تھے۔ تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری اور بیسویں اور اکیسویں صدی عیسوی میں رباط ومراکش سے لے کر انڈونیشیا تک اور ملیشیا اور مصر وشام سے لے کر ہندوستان تک جتنے ملکوں میں بیرونی قبضے اور اقتدار کے خلاف علمِ جہاد بلند کرنے والے، آزادی وطن کی جنگ لڑنے والوں کے قائدین یا تو مسلمان علماء تھے یا پھر ان کی قیادت میں نمایاں اور مؤثر کردار علماء دین ہی کا تھے۔[29]

قیادت کا محاسبہ کرنا:

مولانا فرماتے ہیں کہ قومی و ملی مسائل میں سیاستدانوں اور حکمرانوں کا احتساب کرنا چاہیے۔ جب قوم سیاستدانوں اور حکمرانوں کا احتساب کرنا بند کر دیتی ہے تو وہ مطلق العنان ہو جاتے ہیں۔ اگر قیادتوں کا احتساب نہ کیا گیا تو حالات کا یہ رخ خراب تر ہو تا جائے گا۔ ہمارے لئے تو یہ کسی صورت میں جائز نہیں کہ کسی قیادت پر اللہ ور سول پر ایمان کی طرح کامل ایمان لے آئیں، ہمارا فرض ہے کہ اپنا اور اپنے قائدین کا محاسبہ کریں اور اپنے سیاسی، اخلاقی اور معاشرتی حالات کا غائر نظر سے جائزہ لیں اور انھیں میں مصائب کے اسباب تلاش کریں، کسی فرد یا جماعت کی اندھی اطاعت، گمراہی کے ایسے غار میں پہنچادے گی جہاں ہدایت کی روشنی نہیں پہنچ سکے گی۔[30]

نشاۃ ثانیہ نے جہاں دیگر اداروں اور تصورات کو متاثر کیا وہیں ریاستی سطح پر بھی تبدیلیاں مرتب کرنے کی وجہ بنی۔ اس دور کے اور بعد میں آنے والے سیاسی مفکرین کے افکار میں ایک واضح تبدیلی رونما ہوئے۔ جس کی وجہ سے جدید اصولِ حکمرانی سامنے آئے۔ اقتدار اعلیٰ کا تصور منظر عام پر آیا جس کی رُو سے ریاست کی سب سے اعلیٰ قوت حاکم قرار پائے۔ تمام اختیارات کا منبع ان کی ذات کو قرار دیا گیا اور دستور و قانون کا ماخذ بھی وہی ٹھہرے۔ لا محدود اختیارات کے حامل حکمرانوں کے پیش نظر حکمرانی کے بنیادی اصول عوام کی فلاح و بہبود، انصاف کا قیام اور اقتدار کی توسیع اور تحفظ تھے۔

خلاصہ بحث:

مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں اور ایسی طاقت کا حاصل کرنا لازمی ہے جس میں صرف دعوت و تبلیغ ہی نہ ہو بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی انجام پائے اور معروف کا حکم جاری کر سکے اور منکرات سے روکنے کی طاقت رکھتی ہو۔ ایسی قوت و اقتدار کو حاصل کرنا اور کوشش کرنا قرآن کی قطعی نصوص سے مطلوب ہے اور اس سے تساہل کسی طرح جائز نہیں ہے اور قرآن وحدیث میں خلافت اور امارت کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور اس کے بغیر زندگی کو جاہلی زندگی قرار دیا گیا ہے اور اس حالت میں مرنے کو جہالت کی موت "میتۃ الجاھلیہ" قرار دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے نبی ﷺ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنھم نے اس کام کو اولیت دی تھی اور اس کو ہر کام پر مقدم رکھا اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے تو اس فریضہ کے لیے جان کی بازی تک لگا دی اور ہر دور میں علماء کرام اس پر سر دھڑ کی بازی لگاتے رہے اور آج ملت اسلامیہ کی ذلت وخواری کی بڑی وجہ ہی اس سے محرومی ہے۔ مولانا دین اور سیاست کے الگ الگ ہونے کے مخالف ہیں اور وہ سیاست کو دین کا ایک شعبہ تصور کرتے ہیں اور اس کو اسلام کے لیے لازمی سمجھتے ہیں اور انہوں نے سیاست کو دین سے الگ کرنے کی تردید بھی کی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کی خلیفہ ہمیشہ اپنے

مالک سے رابطے میں ہوتا ہے، اس کا تابعدار ہوتا ہے، وہ اپنی ذمہ داری میں امانتدار ہوتا ہے، اپنے مالک کا شکر گزار اور ہر فضل وکرم کو اس کی طرف منسوب کرنے والا ہوتا ہے، وہ تکبر میں مبتلا نہیں ہوتا اور نہ قوت وحکومت اس کو آپے سے باہر کر سکتی ہے۔

تجاویز وسفارشات:

1. ایسی طاقت کا حاصل کرنی چاہیے ہے جس میں نہ صرف دعوت و تبلیغ بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی انجام پائے اور معروف کا حکم جاری کر سکے اور منکرات سے روکنے کی طاقت رکھتی ہو
2. سیاست دین کا حصہ ہے صرف انفرادی زندگی کو درست نہیں کرنا چاہیے بلکہ تمام انسانوں کی اجتماعی زندگی کو بھی اسلام کے تابع کرنے کوشش کی جائے۔
3. قومی و ملی مسائل میں سیاستدانوں اور حکمرانوں کا احتساب کرنا چاہیے۔ اگر قیادتوں کا احتساب نہ کیا گیا تو حالات کا یہ رخ خراب تر ہوتا جائے گا۔
4. مخلص، باکردار اور باعمل خالص اسلامی قیادت قوم کے سامنے لائی جائے۔ جن پر انسانی حقوق کا تحفظ لازم ہے۔
5. نبی ﷺ کی سیاسی زندگی کے رہنما اصولوں کو سمجھتے ہوئے حکمران و قائدین نفاذ قانون الہی کو ممکن بنائیں۔
6. ریاستی عہدہ داران کے لیے اہل افراد کا تقرر کیا جائے جو غیر جانبدار، اعلی تعلیم یافتہ اور اچھی شہرت کے حامل ہوں۔ یہ نئی قیادت عوام میں سے منتخب کی جائے۔ نیز قیادت غیر موروثی ہو اور میرٹ کو یقینی بنایا جائے۔

حواشی

[1]۔ ندوی، سید ابوالحسن علی، عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح، مجلس نشریات اسلام کراچی، ص:108-109

[2]۔ وحید الدین خان، مولانا، تذکیر القرآن، مکتبہ الرسالہ نئی دہلی، 1985ء، ص:999

[3]۔ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء، (مترجم مولانا محمد شکور)، مکتبہ آرام باغ کراچی، سن ندارد، ج:01، ص:13

[4]۔ القرآن، الانفال 8:38، 39

[5]۔ القرآن، آل عمران 3:110

[6]۔ القرآن، آل عمران 3:104

[7]۔ ندوی، سید ابوالحسن علی، عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح، مجلس نشریات اسلام کراچی، سن ندارد، ص:108-109

[8]۔ ایضا، ص 109-110

[9]۔ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الاخفاء، ص:13

[10]۔ ایضا، ص:111

[11]۔ ایضا، ص:17

[12]۔ ندوی، سید بوالحسن علی، عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح، ص:112

[13]۔ ندوی، سید بوالحسن علی، عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح، ص:112

[14]۔ ایضا، ص:114

[15]۔ سیرت سید احمد شہید، حصہ اول، ص:391

[16]۔ ایضا، ص:392

[17]۔ ندوی، سید بوالحسن علی، عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح، ص:119-121

[18] محمد اقبال، علامہ، بال جبرائیل، مکتبہ جمال لاہور، 2004ء، ص:734-735

[19]۔ ندوی، سید بوالحسن علی، تہذیب تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات، مجلس نشریات اسلام کراچی، 1986ء، ص:90-93

[20]۔ ندوی، سید بوالحسن علی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، مجلس نشریات اسلام کراچی، سن ندارد، ص:64

[21]۔ ایضا، ص:173-174

[22]۔ ندوی، سید بوالحسن علی، تحفہ پاکستان، مجلس نشریات اسلام، 1984ء، ص:43

[23]۔ ندوی، سید بوالحسن علی، منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین، مجلس نشریات کراچی، 1976ء، ص:45-46

[24]۔ القرآن، الحج22:41

[25]۔ ندوی، سید ابوالحسن علی، تحفہ پاکستان، مجلس نشریات اسلام، 1984ء، ص:46-50

[26]۔ القرآن، ص38:26

[27]۔ ندوی، سید ابوالحسن علی، انسانی علوم کے میدان میں اسلام کا انقلابی و تعمیری کردار،، مجلس نشریات اسلام، لکھنو، 1988ء، ص:57-60

[28]۔ ندوی، سید بوالحسن علی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص:204

[29]مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص:71-72

[30] ندوی، ابوالحسن، عالم عربی کا المیہ، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ، 1980ء، ص:123